مطبوعات غالب صدی

۱- خطوط غالب (جلد اول)	...	۱۵/۵۰ روپے
۲- خطوط غالب (جلد دوم)	...	۱۵/۵۰
۳- مہر نیمروز	...	۹/۰۰
۴- دستنبو	...	۴/۰۰
۵- قادر نامہ	...	۱/۷۵
۶- قصاید و مثنویات غالب (فارسی)	...	۲۷/۵۰
۷- سید چین	...	۸/۵۰
۸- اشاریہ غالب	...	۱۸/۰۰
۹- درفش کاویانی	...	۱۲/۰۰
۱۰- قطعات و رباعیات ، ترکیب بند ، ترجیع بند و مخمس غالب	...	۱۳/۰۰
۱۱- دیوان غالب (اردو)	...	۱۶/۰۰
۱۲- غالب ذاتی تاثرات کے آئینے میں	...	۷/۰۰
۱۳- پنج آہنگ	...	۲۹/۵۰
۱۴- افادات غالب	...	۱۱/۵۰
۱۵- غزلیات غالب (فارسی)	...	۱۲/۵۰
۱۶- تنقید غالب کے سو سال	....	۱۹/۰۰
۱۷- غالب کریٹیکل انٹروڈکشن (بہ زبان انگلیسی) غیر مجلد ... ۱۰/۵۰ ، مجلد		۲۰/۰۰

ملنے کا پتہ : پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو (اولڈ کیمپس) لاہور

سید حبیب الحق ندوی

بوطیقا کے عرب مترجمین اور شارحین

عربی ادب میں ڈرامائی آرٹ کا فقدان اور اس کے اسباب

مغربی ادبیات کی نسل یونانی ادبیات سے چلی ہے اور چار صدی قبل مسیح سے ارسطوء اور افلاطون کے علمی مذاکرات اور ادبی مناقشات مغربی ادب اور نقد ادب کی اساس ہیں ۔ افلاطون کا نظریہ 'ادب برائے زندگی' اور ارسطو کا نظریہ 'ادب برائے ادب' ہنوز ادب و نقد کا نزاعی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ان نظریات نے نہ صرف مشرقی ادب — عربی، فارسی، اردو اور اسلامی ادبیات کو متاثر کیا ہے بلکہ ادب و نقد ، ارٹ و کلچر کے تمام عالمی مدارس فکر کو — مشرقی ہوں یا غربی — دو مکاتب فکر میں تقسیم کر دیا ہے اور یہ تقسیم آج تک قائم ہے ۔ فلسفہ جمالیات (Aesthetics) بھی اسی تصادم کی گردش میں مبتلا ہے ۔

ابتدائی مسیحی صدیوں میں یونانی علوم و فنون کا چراغ گل ہو گیا، کیونکہ ۵۲۹ء میں شہنشاہ جسٹی نین (Justiniun) نے ایتھنس کے شہرہ آفاق مرکز علم (Academy of Athens) کو بند کر دیا ، یہ ادارہ افلاطون و ارسطو کی علمی و فنی کاوشات و مناقشات کا مرکز تھا اور یونانی علوم و فنون اور ادب ، جمالیات اور آرٹ و کلچر کا کلس بھی ۔ اس صبر اژما دور میں جب نسطوری عیسائی شہروں اور مراکز علم سے ، جو اس وقت تک متقشف عیسائی مسلک کے زیر اثر تھے ، در بدر کیے جا رہے تھے تو ہم عصر علمی مراکز کے علماء شام ، بصرہ و یونان بھاگ کر ساسانی ایران کے نوشیروان عادل کی حکومت میں پناہ گزین ہو رہے تھے ۔ نوشیروان نے ان مہاجر علماء کی پشت پناہی کی اور اسلام کے آتے ہی مغربی علوم کا یہ ورثہ بحفاظت بطور امانت مسلم علماء اور اسکالز نے یورپ کو من و عن واپس کر دیا ۔ اس طرح دنیا نے دیکھا کہ اسلام علم و فن کے تحفظ کا ذریعہ تھا نہ کہ ان کی تاراجی کا سبب جیسا کہ اہل مغرب سمجھتے ہیں ۔

عرب ارسطو کے افکار و نظریات سے اس وقت متعارف ہوئے جب یورپ کے اکثر ممالک ان سے ناواقف و نا آشنا تھے ۔ تیسری صدی ہجری سے یونانی افکار کا چرچہ عربوں میں ہوا اور تیسری صدی کے نصف آخر تک کافی کتب کے تراجم بھی ہو گئے ۔ ارسطوء کی کتاب خطابت کا ترجمہ اسی زمانہ میں ابن اسحاق نے کیا ۔ عرب علماء اس سے متاثر ہوئے اور قدامہ بن جعفر نے خطابت کے تمام اصول

عربی شعر پر منطبق کر دیے ۔ ارسطوء نے اپنی کتاب خطابت میں نفسیاتی صفات کو 'الہات الفضائل' قرار دیا تھا ۔ قدامہ نے انھیں فضائل کو نقدالشعر کی بنیاد قرار دیدیا ۔ اس طرح عربی شعر اور نقد شعر کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا ، صدیوں عربی ادبی تنقید اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکی ۔ عربی ناقدین کی نظر میں قدامہ بن جعفر ہمیشہ مغلوب رہا ۔

ارسطو کی بوطیقا یا فن الشعر (Poetics) مغربی ادبیات کی خصوصاً اور غیرمغربی ادبیات کی عموماً اساس ہے ۔ بلکہ نظریہ فن و جمالیات کے لیے بائبل کا درجہ رکھتی ہے ۔ مغربی اور مشرقی جامعات کی درسیات اور نصاب کا جزو اعظم ہے ۔ نقد و ادب اور شعر و ڈرامہ کی تدریس بوطیقاء کے مطالعہ کے بغیر نامکمل تصور کی جاتی ہے ۔ یورپ کے دانائے علم و فن کو عربوں کا احسان مند ہونا چاہیے کہ ادب کی یہ مقدس انجیل انھیں کی بدولت محفوظ رہ سکی ۔

بعض روایات کے مطابق بوطیقاء کا ترجمہ اس صدی کے نصف اول میں ہوا ۔ کندی (متوفی ۲۵۲ھ) نے اس کا خلاصہ بھی لکھا جو ضائع ہو گیا اور اب دستیاب نہیں ہے ۔ بعض علماء کا خیال ہے ابو بشرمتی (متوفی ۳۲۸ھ) نے سب سے پہلے بوطیقاء کا ترجمہ کیا ۔ اس سے پہلے اگر تراجم ہوئے تو وہ اب نایاب ہیں ۔[1] ابن ندیم کی ایک روایت اس امر کی تائید کرتی ہے کہ اسحق بن حسن (متوفی ربیع الاول ۲۹۸ھ) نے بوطیقاء کا سب سے پہلا ترجمہ کیا ۔ مستشرق تکاتش اسی رائے کی تائید میں ہے ۔ اس کے خیال میں اسحاق نے سریانی زبان میں ترجمہ کیا ۔ بعض ناقدین کا خیال ہے ترجمہ عربی زبان میں تھا ۔ کندی کے ترجمہ کی تلاش ہنوز جاری ہے ۔ ابن ندیم کی روایت سے یہ بات واضح ہے کہ عربی میں بوطیقاء کا سب سے پہلا ترجمہ ابو بشرمتی بن یونس قنائی (متوفی ۱۱ رمضان ۳۲۸ھ مطابق ۲۲ جون ۹۴۰ء) نے کیا ۔[2] اس ترجمہ کی تشریحات و تلخیصات فارابی، ابن سینا، ابن رشد نے کامیابی کے ساتھ لکھیں ۔ فارابی نے اس کا خلاصہ زیر عنوان رسالہ فی قوانین صناعۃ لکھا اور ارسطو کی کتاب فن خطابت سے بھی استفادہ کیا ۔ فارابی کا یہ مخطوطہ نمبر ۳۸۳۲ کے تحت انڈیا آفس لائبریری کے خزینہ سے پروفیسر ارتھر اربری (J. J. Arberry) نے برآمد کیا ۔ یہ سترویں صدی کی نستعلیق میں تحریر شدہ نسخہ ہے ۔ اربری نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کرایا اور عبدالرحمان بدوی نے

---

۱ ۔ عبدالرحمان، فن الشعر لارسطاطالیس ، مقدمہ صفحہ ۵۱ (مطبوعہ مصر ۱۹۵۳ء) ۔
۲ ۔ ایضاً ، صفحہ ۳۳ ۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو 'اثرات الیونانی' از عبدالرحمان بدوی ، صفحات ۸۶-۸۷ ، طبقات الاطباء ، ابن ابی اصیبعۃ ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۳۵ ، الفہرست ابن ندیم صفحہ ۲۰۳ اور اخبار الحکماء از قفطی، صفحہ ۲۱۲ ۔

اس کا اصل عربی نسخہ اپنی کتاب فن الشعر میں شائع کر دیا ہے۔

فارابی کے بعد ابن سینا نے بوطیقاء کی تلخیص 'کتاب الشفاء' میں 'کتاب الشعر' کے زیر عنوان لکھی اور فارابی کی تلخیص سے استفادہ کیا۔ ابن سینا نے کچھ اضافے بھی کیے بلکہ انواع شعر کی نادر تقسیم کی اور اصناف شعر کی تقسیم میں شعر و ادب اور لغت کے بارے میں اسکندریہ اسکول کے نظریات کو بھی قلمبند کر دیا ہے۔ بعض ناقدین کے خیال میں ابن سینا نے تاسطیوس کی شرح سے استفادہ کیا کیونکہ فارابی کی شرح میں ارسطوء کے نظریات کی اتنی توضیحات موجود نہیں جتنی ابن سینا کے ہاں موجود ہیں۔ ابن سینا نے ارسطوء کے اہم اجزا فکر کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اسی لیے اس میں بوطیقاء کی مکمل تلخیص موجود ہے۔ بوطیقاء میں یونانی شاعری کی تقسیم و تفصیل موجود نہیں ہے۔ اس کا ذکر صرف فارابی کے ہاں ملتا ہے۔ معروف مستشرق پروفیسر مارگولیوتھ نے پہلی بار ابن سینا کی تلخیص کو لندن سے ۱۸۸۷ء میں بشرمتی کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ عبدالرحمان بدوی، ابن ابی اصیبعۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مشہور ریاضی دان ابن ہیثم (متوفی ۴۳۰ یا ۴۳۲ھ) نے بھی یونانی اور عربی فن شعر سے متعلق ایک رسالہ لکھا اور بوطیقاء کی تلخیص بھی کی۔ لیکن اس نے نقد شعر میں ارسطو کی پیروی کے بجائے عربی شاعری کی روایات کی پیروی کی ہے۔ ابن رشد نے بھی یونانی کے بجائے عربی شعری روایات کی پیروی کی ہے۔ ابن ہیثم کا رسالہ ہنوز نایاب ہے۔ سراغرسانی جاری ہے۔

ابن رشد نے . . . . جو تلخیص لکھی وہ بے حد تشنہ ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار ایف لیسینیو (F. Lasinio) نے ۱۸۸۲ء میں شائع کیا۔ یہ آٹھویں صدی کا مخطوطہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی اشاعت دو اجزاء میں ہوئی۔ ایک میں عربی نص ہے اور دوسرے میں اس کا عربی ترجمہ ہے۔ ابن رشد کی تلخیص کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ارسطو اور یونانی قواعد کی تطبیق عربی شاعری کے ساتھ کرتا ہے اور بکثرت مثالیں بھی پیش کرتا ہے۔ فارابی، ابن سینا اور ابن رشد کی تلخیصات کے عربی نسخے عبدالرحمان بدوی نے فن الشعر میں شائع کر دیے ہیں۔

بوطیقاء کا عربی مخطوطہ پیرس کے مخطوطہ سے قدیم تر ہے

انیسویں صدی اور اوائل بیسویں صدی میں جب لسانی انتقادیات (Philological Criticism) کا زور ہوا تو بوطیقاء کا مطالعہ بھی لسانی نقطہ نظر سے شروع ہوا۔ یونانی نص کا سب سے پہلا مخطوطہ ۱۵۰۸ء میں شائع ہوا اور دنیا کے تمام دوسرے مخطوطات سے اس کا مقابلہ کیا گیا۔ نیز یونانی اور لاطینی نصوص کے درمیان فرق کا پتہ چلایا گیا۔ تصحیح کی گئی اور حذف و اضافات کی اصلاح ہوئی۔ اور اسے مستند مخطوطہ قرار دیدیا گیا۔ ۱۸۳۷ء میں مستشرق ابل۔ اسپینگل

(L. Spengal) نے بوطیقاء کے بارے میں دلچسپ بحث چھیڑی اور ۱۸۵۶ء میں یہ ثابت کیا کہ پیرس کا مخطوطہ نمبر (A-۱۷۴۱) دنیا کا قدیم ترین مخطوطہ ہے۔ تمام دیگر عالمی مخطوطات کی اصلاح اسی کی روشنی میں ہونی چاہیے۔ یہ واحد مخطوطہ ہے جو دسویں یا گیارھویں صدی میں لکھا گیا ہے اور دیگر مخطوطات نشاۃ ثانیہ یعنی پندرھویں اور سولھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ مستشرق مذکور کی رائے میں چونکہ پیرس کا مخطوطہ لائق اعتماد تھا اس لیے اس پر علمی بحث عرصہ دراز تک چلتی رہی۔ بالآخر اسی نسخہ کو قدیم ترین نسخہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن تمام علماء اس رائے سے متفق نہ تھے، پروفیسر ڈی۔ ایس مارگولیوتھ (D. S. Margoliouth) معروف انگریز مستشرق نے اپنی تحقیقات جاری رکھی اور ثابت کیا کہ ابو بشرمتی بن یونس کا عربی مخطوطہ قدیم ترین بلکہ مستند ترین نسخہ ہے۔ اور تمام عالمی مخطوطات کی اصلاح اسی کی روشنی میں ہونی چاہیے۔ پروفیسر مذکور نے ۱۸۸۷ء میں بشرمتی کا عربی مخطوطہ شائع کر دیا۔ ساتھ ہی ابن سینا کی کتاب الشفاء سے 'قسم الشعر' حصہ بھی شائع کر دیا نیز عیون الحکمت (شرح فخرالدین رازی) میں شعر سے متعلق مختصر باب کو بھی شریک اشاعت کر دیا۔ زبدۃ الحکمت سے فن الشعر کا حصہ بھی شریک کر لیا۔ تقابلی مطالعہ نص، تحلیل و تفرید کے بعد ثابت کیا کہ بوطیقاء کا اصل نسخہ یونانی مخطوطہ تھا جس سے سریانی زبان میں ترجمہ ہوا اور سریانی سے عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ ان تین مخطوطات کے علاوہ دنیا کے تمام دیگر مخطوطات تاریخی اعتبار سے متاخر ہیں۔ لہذا پیرس کا مخطوطہ عربی مخطوطہ سے متاخر ہے۔ اس کی قراءت بھی عربی مخطوطہ سے مختلف ہے۔ عربی ترجمہ چونکہ براہ راست سریانی سے ہوا ہے اور سریانی میں اصل یونانی زبان سے منتقل کیا گیا ہے اس لیے عربی مخطوطہ ثقہ ترین ترجمہ ہے۔ تمام دیگر عالمی مخطوطات کے ابہامات اسی کی روشنی میں دور کیے جا سکتے ہیں۔ یونانی اور سریانی مخطوطات امرور زمانہ کی وجہ سے اس قدر بوسیدہ ہو چکے ہیں کہ ان کی قراءت میں فساد آ گیا ہے۔ لہذا ان کی اصلاح کے لیے عربی نسخہ کی طرف مراجعت ضروری ہے۔

عربی مخطوطہ کی سند و ثقاہت کی جانب مارگولیوتھ پہلے بہت سے جرمن علماء اشارے کر رہے تھے۔ جرمن مستشرق یوبروک (Uberweg) نے جب ۱۸۶۹ء میں بوطیقاء کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا تو اس نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ عربی مخطوطہ ہی دیگر مخطوطات کی اصلاح کر سکتا ہے۔ ۱۸۸۹ء میں آئی۔ بی واٹر (I. B. Water) نے رسالہ مخطوطات فی تاریخ (Archir fur Geschicht d. Phitos, Vol. 2, p. 499) میں ثابت کر دیا کہ عربی مخطوطہ صحت و سند کے اعتبار سے پیرس کے مخطوطہ سے قدیم ترین ہے اور ثقہ ترین بھی۔ اس حقیقت کی

طرف تمام جرمن علماء زور دیتے رہے - پروفیسر مارگولیوتھ نے اس کی اہمیت کو جدید نسل کے لیے مزید اجاگر کیا اور ۱۹۱۱ء میں اس نے بوطیقاء کا ایک لاطینی ترجمہ جو عربی سے ماخوذ تھا ، شائع کیا -

ارسطوء کا جدید شرح نگار اور مترجم ایس - ایچ - بوچر (S. H. Butcher) جس کی کتاب آج تک مستند درسی نصاب میں شریک ہے ، پروفیسر مارگولیوتھ سے استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی تالیف و تشریحات میں عربی مخطوطہ سے استفادہ کیا کیونکہ وہی اصل یونانی متن (Text) کی طرف مکمل رہبری کرتا ہے دوسرے مخطوطات یا نسخے (مطبوعہ اور غیر مطبوعہ) اس سے قاصر ہیں - بوچر اپنی کتاب کے دوسرے اور تیسرے اڈیشن کے مقدمہ (Preface) میں تفصیل کے ساتھ اس استفادہ کا ذکر کرتا ہے -

"I ought to add, that in the Text and Critical Notes generally I have made a freer use than before of the Arabic Version . . . in several passages it carries us back to a Greek original earlier than any of our existing MSS."[3]

بوطیقاء کا اصل سریانی ترجمہ اب ناپید ہے- اس کے مترجم کا نام بھی معلوم نہیں - اصل یونانی مسودہ جس سے سریانی میں ترجمہ کیا گیا وہ بھی معدوم ہے - گیارھویں صدی کا ایک قدیم یونانی نسخہ کتب خانہ میں موجود ہے - یورپ کی تمام جدید زبانوں میں بوطیقاء کا ترجمہ اسی نسخہ سے جس کے نص میں کافی نقائص موجود ہیں اور جس کی اصلاح بھی عربی مخطوطہ کے بغیر ممکن نہیں - یورپ میں بوطیقاء کے تراجم جدیدہ کی تحریک چلی اور ۱۰ مارچ ۱۸۹۷ء کے ایک اجلاس میں اس کی تائید کی گئی - ادارہ نشر تراجم نے اپنے خصوصی اجلاس منعقدہ ۸ جنوری ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹر جے تکاتش (Dr. Jaroslaus Tkatsch) کے ذمہ یہ مقدس فریضہ سپرد کیا گیا کہ وہ ابو بشرمتی کے اس واحد نسخہ (یونیکم) کی اشاعت کا اہتمام کریں - یہ نسخہ بھی پیرس کے کتب خانہ میں (زیر نمبر ۸۸۲ عربی - ۲۲۴۶ عربی جدید) موجود تھا - ادارہ نے سفارش کی کہ اسی کے ساتھ لاطینی ترجمہ بھی شائع کر دیا جائے جو عربی سے ماخوذ تھا - تاکہ ان دونوں کی روشنی میں اصل یونانی مخطوطہ کی اصلاح کی جائے - بدقسمتی سے ۴ فروری ۱۹۲۷ء کو تکاتش کا وصال ہو گیا - موصوف کی حیات میں عربی کا نص مقدمہ لاطینی ترجمہ اور کچھ شروح کی طباعت مکمل ہو چکی تھی - تکاتش کے بعد رادر ماچر (Rader Macher) نے اس کار خیر کی ذمہ داری سنبھالی - اور ۱۹۲۸ء میں جزء اول اور ۱۹۳۲ء میں

3. S. H. Butcher, *'Aristotle's Theory of Poetry and Fine Arts'* (Fourth Print, 1923), pp. XIV-XV.

جزء ثانی کو شائع کرایا ۔ ان اجزاء کے جرمن نام حسب ذیل تھے ۔

"Die Arabische Uebersetzung der Poetik des Aristoteles und die Grundlage der Kritik des griechischen textes."

ان اجزاء کی اشاعت کے ساتھ بیشتر نادر معلومات کا اضافہ ہوا۔ اس میں ارسطوء کے فن شعر یعنی بوطیقاء کی تمام اشاعتوں کی تاریخ بھی درج کر دی گئی ۔ عربی متن کے ساتھ حرف بحرف لاطینی متن کو بھی شامل کر دیا گیا ۔ حواشی میں تصحیحات کر دی گئیں ۔ پروفیسر مارگولیوتھ کی تصحیحات میں سے بعض کو صحیح تسلیم کیا گیا اور بعض کو مسترد کر دیا گیا ۔ تکاتش کا اڈیشن مارگولیوتھ کے اڈیشن سے بہتر ثابت ہوا کیونکہ آخرالذکر نے عربی متن کی قراءت میں غلطی کی ہے بلکہ مفہوم کو سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے ، نیز ذاتی اضافات بھی کیے ہیں ۔

عربی ادب میں فن ڈرامہ کا وجود؟

عربی نقد ادب کا اعتذاری اسکول اکثر یہ سوال کرتا ہے کہ بوطیقاء کے عربی ترجمہ کے باوجود عربی ادب میں فن ڈرامہ کا ارتقاء کیوں نہیں ہو سکا اس کے خیال میں چونکہ عربوں نے ارسطوء کی تعریف اور اصطلاح سمجھنے میں غلطی کی اسی لیے فن ڈرامہ ارتقاء پذیر نہ ہو سکا (اس کا ذکر آگے آئے گا) ۔ دوسرا تنقیدی اسکول مغالطہ کا شکار ہے ۔ اس کا دعویٰ ہے کہ عربی ادب میں دنیا کا ہر فن موجود ہے ۔ فن ڈرامہ بھی موجود ہے ۔ مثلاً عربی میں رزمیہ شاعری موجود ہے ، ڈرامائی شاعری بھی بکثرت موجود ہے ۔ مثلاً حماسہ کے مناظر ۔ جنگ بسوس ، داحس ، تجراء فجار بقاث کے مناظر جنگوں یا غزوات و فتوحات کی داستانیں ۔ یہ اصناف یونانی البادہ اور اوڈے سے کسی طرح کمتر نہیں ۔ دو لڑنے والوں کے درمیان مکالمے، حرکات و سکنات کی منظر کشی، یہ سب ڈرامائی مناظر ہیں ۔ ابن ربیعہ کے دیوان کا اکثر حصہ ڈرامائی ہے ۔ قیس کا محبوبہ کے ساتھ ڈائیلاگ ڈرامائی آرٹ کے نمونے ہیں ۔

اس نظریہ کی تردید میں بعض ناقدین نے پوری قوت صرف کی ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ عربی شاعری سر تا سر غنائی ہے، ڈرامائی نہیں۔ اس میں رزمیہ اور تمثیلی آرٹ کا وجود نہیں ۔ رزمیہ شاعری غیر معمولی طویل نظم ہوتی ہے ۔ اس میں ہزار ہزار اشعار ہوتے ہیں ۔ جنگوں اور مصائب کے تذکرے ہوتے ہیں ۔ قومی و ملکی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے ۔ دیو مالائی قصے ہوتے ہیں ۔ دیوی اور دیوتاؤں کا عمل دخل ہوتا ہے ۔ وہ انسانی معاملات میں الہامی طور پر دخیل ہوتے ہیں ۔ اس میں اجتماعی زندگی کی خصوصی جھلکیاں ہوتی ہیں۔ مولف کی انشائی ذات اجتماعی رنگ میں گھل جاتی ہے۔ عربی شاعری میں یہ اصناف موجود نہیں۔ عربی میں ڈرامائی آرٹ بھی مفقود ہے ۔ ڈرامائی خصوصیات کے معنی محض دو افراد میں جواز یا مکالمہ نہیں ۔ دو

سے زیادہ افراد مکالمہ میں مصروف ہوتے ہیں ۔ اس میں انفرادی و اجتماعی محرکات ہوتے ہیں ۔ موسیقی ہوتی ہے اور رقص و آہنگ بھی۔ غرض عربی شاعری میں ایسی کوئی صفت موجود نہیں جسے ڈرامائی کہا جا سکے۔ عربی شاعری اول سے آخر تک غنائی ہے ۔ شخصی اور ذاتی ہے ۔ محض ذات واحد کے میلانات کی ترجمانی کرتی ہے ۔ نسیب اور حماسہ سب اسی نوع کے اضاف ہیں ۔ لیکن اس کمی کی وجہ سے عربی ادب و شعر کی قدر و قیمت میں نہ تو کوئی کمی آتی ہے نہ ہی اس میں ضعف پیدا ہوتا ہے ۔ شاعری کا عروج اصناف کے ترازو پر تولا نہیں جاتا ہے ۔ آرٹ کا کمال یہ ہے کہ جو صنف بھی پیش کی جائے وہ اوج کمال تک پہنچ جائے ۔[۴]

تاریخ ادب کے بعض مولفین سخت تضاد کے شکار ہیں ۔ انھیں میں سے ایک جرجی زیدان معروف مورخ ہیں ۔ موصوف کے خیال میں قصصی شاعری (Epic) سریانی زبان کے علاوہ سامی زبانوں میں عام طور پر نادر ہے ۔ ''ھل عندالعرب شعر تمثیلی'' کے زیر عنوان فاضل مولف لکھتے ہیں کہ عرب چونکہ سامی نسل کی طرح زیادہ تر تخیل اور تصورات کے عادی تھے اس لیے انھوں نے ڈرامائی آرٹ کی طرف توجہ نہیں کی ۔ ''و العرب مثل سائر الساميين اكثر ميلاً الى الخيال والتصور فلم يلتفتوا الى التمثيل۔[۵]

دوسری سانس میں موصوف فرماتے ہیں کہ عربوں کے ادبی ورثہ کا اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عربی میں فن ڈرامہ (شعر تمثیلی) موجود ہے ۔ اور اس میں شعر و نثر کا حسین امتزاج بھی موجود ہے۔ بدویانہ خصائل حیات کی تمثیل ہے ۔ مثلاً وفا ، ضیافت، شجاعت ، عفت وغیرہ اوصاف حمیدہ عرب ہیرو (Hero) مثلاً حاتم طائی ، سموال کے ہاں موجود ہیں ۔ لیلیٰ مجنوں کے واقعات رومیو لیٹ سے کسی طرح کم نہیں ۔ اسی طرح حنظلہ ، نعمان بن منذر اور عنترہ کے واقعات ڈرامائی آرٹ کے نمونے ہیں ۔ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد پھر مولف بطور خلاصہ تحریر کرتے ہیں کہ من حیث مجموعی عربی شاعری غنائی ہے ۔[۶]

ڈرامائی آرٹ کا فقدان اور اس کے اسباب : اعتذاری اسکول کے دلائل

عام قاری کے لیے اس بات کا سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ عرب، یونانیوں کے ابتدائی وارث ہونے کے باوجود ، فن ڈرامہ کی ترویج و ترقی سے قاصر رہے ۔ اعتذاری اسکول کا دعویٰ ہے کہ عربوں نے ارسطو کی اصطلاحات کے حصے میں بنیادی غلطی

۴۔ ڈاکٹر طہ حسین 'فی الادب الجاہلی' ۔ طہ حسین نے بڑی طویل بحث کی ہے اور اسی احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو اعتذاری اسکول نے پیدا کیا ہے ۔

۵۔ جرجی زیدان 'تاریخ اداب اللغۃ العربیہ' (جزء اول ۱۹۳۶ء)، صفحہ ۵۰۔

۶۔ ایضاً ، صفحہ ۵۲ ۔

کی وہ ٹریجڈی کا ترجمہ قصیدہ اور کامیڈی (طربیہ) کا ترجمہ ہجو کر بیٹھے - یہی وہ عظیم غلطی جس نے عربی ادب کے سرمایہ فن ڈرامہ کو کلاسیکی آرٹ سے محروم کر دیا - یونانی المیہ (ٹریجڈی) اور طربیہ کامیڈی) یا ہیرو (Hero) کا تصور عربی قصیدہ یا ہجو میں ممکن ہی نہ تھا - عرب چونکہ اپنے آپ کو قصیدہ و ہجو گوئی کا بادشاہ تصور کرتے تھے اس لیے انھوں نے اپنے مقابلہ میں یونانی قصیدہ اور ہجو کو لائق اعتنا تصور نہیں کیا اور یونانی آرٹ کو فرو تر اور کم تر سمجھتے رہے -

ضرورت ہے کہ قاری ٹریجڈی اور کامیڈی کی تصریفات پر ایک نظر ڈالے اور دیکھے کہ ابو بشر متی بن یونس ، فارابی ، ابن سینا اور ابن رشد نے ان اصطلاحات کی تعبیر و تفسیر کس طرح کی ہے - ان مؤلفین و مترجمین اور شارحین کے عربی متون کو عبدالرحمن بدوی نے ایک ساتھ شائع کر دیا ہے[۷] - متون کا تقابلی مطالعہ بھی قاری کی رہبری کر سکتا ہے :

(حزنیہ یا المیہ) Tragedy	(طربیہ یا مزاحیہ) Comedy
۱- ابو بشر متی بن یونس کا ترجمہ	
فصناعة المديح (ٹریجڈی)هی تشبيه و محاكاة للعمل الارادى الحريض و الكامل التى لها عظم و مدار فى القول النافع ما خلا كل واحد من الانواع التى هى فاعله فى الاجزاء لا بالمواعيد ، (ص ۹۶-۹۷).	اما التشبيه و المحاكاة الكائنه با لاوزان اله فنحن قائلون(فيها) بالاخرة، وكذالك فى صنا الهجاء (كميدى) ، لعقيب لذلك (و لنتكلم عن الماساة مبتدئين) ، صفحه ۹۶.
یعنی مدح (ٹریجڈی) ایک ایسے ارادی عمل کی نقل ہے جو فعال اور اہم ہو اور مکمل بھی - جس میں مناسب عظمت ہو اور طوالت بھی - جو مزین زبان میں لکھی گئی ہو اور جس سے حظ حاصل ہوتا ہو -	یعنی مسدس الارکان بحرین جو شاعری نقل کرتی ہے - اس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے - اس طرح ہجو (کامیڈی) کا ذکر بھی ہم بعد میں کریں گے - پہلے ہم ماساۃ (ٹریجڈی) کا ذکر کریں گے -

۷- عبدالرحمن بدوی ، فن الشعر ، ترجمہ سابق -
(الف) ترجمہ بوطیقاء از ابو بشر متی ، از ص ۸۵ تا ص ۱۴۵ -
(ب) رسالہ فی قوانین صناعة الشعر از فارابی ، از ص ۱۴۹ تا ص ۱۵۸ -
(ج) فی الشعر - از ابن سینا ، از ص ۱۶۱ تا ص ۱۶۸ -
(د) فی الشعر - از ابن رشد ، از ص ۲۰۱ تا ص ۲۵۰ -

(حزنیہ یا المیہ) Tragedy	(طربیہ یا مزاحیہ) Comedy
۲۔ معلم ثانی فارابی	
اما طرا غوذیا (ٹریجڈی) فهو نوع من الشعر له وزن معلوم یلتذ به کل من سمعه من الناس او تلاه ، یذکر فیه الخیر و الامور المحمودة المحروص علیها و یمدح بها مدبروا المدن ، ص ۱۵۳۔	اما قوموذیا (کمیڈی) فهو نوع من الشعر له و معلوم تذکر فیه الشر و اهاجی الناس و الاخلاق المذمومة و سیرهم الغیر المرضیة . . . و ذکر فیه الاخلاق المذمومة التی یشرک فیها الناس و البهائم ، ص ۱۵۳۔
یعنی ٹریجڈی ایسی صنف شاعری ہے جس کا وزن معروف ہوتا ہے ۔ سامع کو اس سے حظ حاصل ہوتا ہے ۔ اس میں خیر اور ایسے فضائل محمودہ کا ذکر ہوتا ہے جس کی تمنا کی جاتی ہے ۔ اس کے ذریعہ شہر کے بڑے ہیرو کی مدح کی جاتی ہے ۔	رہا کامیڈی تو یہ بھی ایک صنف شعر ہے جس کا وزن معلوم ہوتا ہے ۔ اس میں لوگوں کے شر اور ہجو نیز ان کے اخلاق مذمومہ اور غیر محمودہ سیرۃ کا ذکر ہوتا ہے ۔ اس میں ایسے اخلاق مذمومہ کا ذکر ہوتا ہے ۔ جس میں انسان و بہائم دونوں مشترک ہوتے ہیں۔
۳۔ ابن سینا	
فمن ذلک نوع من الشعر یسمی طراغوذیا (ٹریجڈی) له وزن لذیذ ظریف یتضمن ذکر الخیر و الاخیار و المناقب الانسانیة ثم یضاف جمیع ذالک الی رئیس برادمدحه. . . و ربما زادوا فیه نغمات عند موت الملوک للناحیة المرثیة ، ص ۱۶۶۔	و منه نوع یسمی توموذیا و هو نوع یذکر فیه الشر و الرذائل والاهاجی و ربما زادوفیه نغمات لتذکر القبائح التی تشترک فیها الناس و سائر الحیوانات ، ص ۱۶۶۔
یعنی شاعری کی ایک قسم کا نام ٹریجڈی ہے جس کا ایک معلوم وزن ہوتا ہے اس میں نیکی بھلائی اور انسانی مناقب اور اوصاف حمیدہ کا ذکر ہوتا ہے ۔ پھر یہ	شاعری کی ایک قسم کامیڈی ہے ۔ یہ وہ صنف شاعری ہے جس میں انسان کے شرور اور رذائل اور ہجو کا ذکر ہوتا ہے ۔ اس میں عموماً نغمات کا اضافہ ہوتا ہے اور ان قبائح کی عکاسی

(حزنیہ یا المیہ) Tragedy	(طربیہ یا مزاحیہ) Comedy
تمام اوصاف کسی ہیرو کی جانب منسوب کر دی جاتی ہیں - جن سے مراد مدح و ستائش ہوتی ہے ، ملوک کی موت کے موقع پر اکثر بطور مرثیہ نغمات کا اضافہ بھی ہوتا ہے -	ہوتی ہے جس میں انسان اور حیوان مشترک ہیں -
۴- ابن رشد	
فاول اجزاء صناعة المديح (ٹریجڈی) الشعری فی العمل هو ان تحصیل المعانی الشریفة ، ص ۲۰۹.	و صناعة الهجاء (کمیدی) انما یقصد بها المحاکاة بکل ما هو شر و قبیح فقط بل و بکل ما هو شر مستهزا به ای مرذول قبیح مهتم به ، ص ۲۰۸.
یعنی مدح کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ انسان کے خصائل حمید، اور محاسن کا احاطہ کرے -	اور فن ہجو میں نہ صرف شر اور قبیح عمل کی ترجمانی کی جاتی ہے بلکہ ہر رذیل شے اور ابتذال کی عکاسی ہوتی ہے -

ان تصریفات میں یونانی ٹریجڈی کی بھی تنقید اور کامیڈی کو عربی ہجو کا مترادف سمجھنا ہے - ابن رشد نے اپنی تلخیص بوطیقاء میں اسی لیے عربی شاعری کے سرمایہ سے اصناف قصیدہ اور ہجو کے نادر نمونے بھی نقل کیے ہیں - عربی تشبیہات و تخیلات کی مثالیں پیش کی ہیں - امراء القیس ، ابو تمام ، متنبی، مہتمم بن نویرہ ، قیس المجنون، خنساء ، بحتری اور عنترہ وغیرہ کے اشعار نقل کیے ہیں تا کہ یونانی تخیل و تشبیہات سے ان کا مقابلہ کر سکے اور عربی قصیدہ و ہجو کی برتری ثابت کر سکے -

ابن رشد کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے بوطیقاء پر تنقید کی اور ثابت کیا کہ بوطیقاء ناقص اور ناتمام ہے - ابن رشد لکھتا ہے کہ ارسطوء نے ہجو کی مزید تفسیر بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر اس نے وعدہ پورا نہیں کیا اور اگر کیا تو وہ حصہ ضائع ہوگیا - اس حقیقت کے پیش نظر ابن رشد کے خیال میں بوطیقاء کے تمام تراجم ، مخطوطات اور نسخے ناقص و نامکمل ہیں - وہ

لکھتا ہے :

"و مع ذلک فلسنا نجدہ ذکر من ذلک فی ھذا الکتاب الواصل الینا الابعض ذلک۔ ذلک یدل علی ان ھذا الکتاب لم یترجم علی التمام و انہ بقی منہ التکلم فی سائر فصول اصناف کثیر من الاشعار التی عندھم ۔ و قد کان ھو قد وعد بالتکلم فی ھذہ کلھا فی صدر کتابہ و الذی نقص محاھو مشترک فی التکلم فی صناعۃ الھجاء" (کمیدی)۔

تعجب ہے کہ ارسطوء نے بوطیقاء میں یونانی شاعری کے اصناف سے اس قدر مفصل بحث نہیں کی جس قدر فارابی نے کی ہے ۔ ابن سینا نے تو یونانی شاعری کی ساخت اور اصناف تک سے بحث کی ہے ۔ وہ شاعری کے مدنی اغراض تخیل ، شعور انفعالیت ، اختراع ، ابتداع ، وزن و قافیہ اور فصاحت لفظی و معنوی سے بھی بحث کرتا ہے ۔ ابن سینا کے خیال میں یونانی شاعری کی ساخت محدود ہے ۔ اور شعری اغراض و مضامین بھی محدود ہیں۔ وہ لکھتا ہے :

"فھذہ ھو عدۃ الصفات الشعریۃ علی سبیل الاختصار و الیونان کانت لھم اغراض محدودۃ یقولون فیھا الشعر (فی الشعر ص ۱۶۵) . . . و کان لھم کما اخبرنا بہ انواع معدودۃ للشعر فی اغراض محدودۃ ، ص ۱۶۷"۔

اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ عربوں نے ارسطو کی بوطیقاء کو کماحقہ سمجھا بلکہ پوری یونانی شاعری کو عربی کے مقابلہ میں کمتر نگاہ سے دیکھا ، اور خود ارسطو پر سخت تنقید کی ۔ ابن سینا کی تنقید لائق توجیہ ہے ۔ جدید تالیفات بھی اس حقیقت کی تائید میں ہیں[8] ۔

ٹریجڈی اور کامیڈی کے تراجم میں عربوں نے غلطی نہیں کی!

نقد ادب کے عرب اعتذاری اسکول کا رجحان غلط ہے بلکہ افسوس ناک بھی ۔ تعجب تو اس پر ہے کہ عبدالرحمن بدوی جیسے ممتاز اسکالر بھی اسی مدرسہ فکر کے حامی ہیں ۔ موصوف کے خیال میں عربوں نے ٹریجڈی کا ترجمہ مدح اور کامیڈی کا ترجمہ ہجو کرکے عربی ادب کو فن ڈرامہ سے محروم کر دیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ارسطوء نے بوطیقاء میں جو تعریف کی ہے عربوں نے وہی ترجمہ دیانت و امانت کے ساتھ کیا ہے ۔ کامیدی کی تعریف کرتے ہوئے ارسطوء خود لکھتا ہے کہ کامیڈی بری سیرتوں کی ترجمانی ہے اور اس کا موضوع بدی نہیں بلکہ مضحکہ خیز برائی ہے جو نہ تو تکلیف دہ ہوتی ہے نہ ہی تباہ کن ۔ رزمیہ شاعری اور ٹریجڈی کا

8. Avicenna, *Avicenna's Commentary on the Poetics of Aristotle* Translated by Ismail Muhammad Dahiyat, Leiden, Brill, 1926. کا جدید ایڈیشن ملاحظہ ہو ۔

مقابلہ کرتے ہوئے اور ان دونوں میں مماثلت و مخالفت کا اظہار کرتے ہوئے ارسطو لکھتا ہے کہ یہ دونوں اصناف فضائل عالیہ اور ممتاز ہیرو (Hero) کے کارناموں کی ترجمانی کرتے ہیں - فرق صرف یہ ہے کہ رزمیہ شاعری کا اسلوب بیانیہ ہوتا ہے اور ٹریجڈی سے طویل ہوتی ہے - ٹریجڈی کو مختصر ہونا چاہیے - کامیڈی اور ٹریجڈی کا موازنہ کرتے ہوئے ارسطو مزید لکھتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے باین معنی ممتاز ہیں کہ کامیڈی انسان کو اپنی اصلیت و ماہیت سے کم تر اور فروتر دکھاتا ہے - ٹریجڈی اس کے برخلاف انسان کو اپنی اصلیت یا حقیقت سے زیادہ بہتر یا برتر دکھاتا ہے - یعنی بد سے بدتر اور خوب سے خوبتر کی ترجمانی المیہ و طربیہ کے فنی فرائض میں داخل ہے - اس سلسلہ میں بوچر کے تراجم ہماری مدد کرتے ہیں اور بوچر کو تمام جدید اسکالرشپ نے مستند مترجم اور شارح کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے اور تمام جامعات میں نئے اسکالر کا مصدر و مرجع ہے - بوچر کا ترجمہ ملاحظہ ہو -

"The same distinction marks off Tragedy from Comedy; for comedy aims at representing men as worse, tragedy as better that in actual life."[9]

کامیڈی کی توضیح مزید کرتے ہوئے ارسطو لکھتا ہے کہ کامیڈی بری سیرتوں کی ترجمانی یا نقالی کرتی ہے - بری سے مراد ہر قسم کی بدی نہیں بلکہ ایسی برائی مراد ہے جو مضحکہ خیز ہو - یعنی ایسی بدنما جو نہ تکلیف دہ ہو نہ تباہ کن - مثال کے طور پر ایک مضحکہ خیز چہرہ بد شکل اور بگڑا ہوا تو ہو سکتا ہے مگر ایسا بد شکل بھی نہیں کہ اسے دیکھ کر تکلیف اور دکھ ہو -

بوچر انہیں خیالات کا ترجمہ حسب ذیل الفاظ میں کرتا ہے -

ارسطو کے متن کا ترجمہ بوچر ان الفاظ میں کرتا ہے -

"Comedy is, as we have said, an imitation of characters of a lower type,—not, however, in the full sense of the word bad, the ludicrous being merely a subdivision of the ugly. It consists in some defect or ugliness which is not painful or destructive. To take an obvious example the comic mask is ugly and distorted, but does not imply pain . . . ."[10]

اسی طرح ٹریجڈی کی وضاحت کرتے ہوئے ارسطو لکھتا ہے کہ ٹریجڈی میں ان اعمال کی ترجمانی ہوتی ہے - جو اپنے اجزاء تکوینی کے اعتبار سے ممتاز خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں - یہ خصوصیات کے اطوار و عادات اور تاثرات کی جھلک ہوتی ہے - یہی اطوار ان اعمال کے اجزاء ترکیبی ہیں - انسانی اجزا و تاثرات اس کے اعمال سے

9. Butcher, *Aristotle Theory of Poetry and Fine Arts*, p. 13.
10. Ibid., p. 21.

بھونتے ہیں اور وہی انسانی رنج و راحت کا سبب بن جاتے ہیں اور اس کی فیروز مندی و کامرانی یا تاراجی کا باعث بھی ۔ بوچر کا ترجمہ ملاحظہ ہو :

"Again, Tragedy is the imitation of an action, and an action implies personal agents, who necessarily possess certain distinctive qualities both of character and thought, for it is by these that we qualify actions themselves, and these—thought and character—are the two natural causes from which actions spring, and on actions again all success or failure depends."[11]

ٹریجڈی اور کامیڈی کی ان تعریفات اور تعبیرات کے ذریعہ مدح اور ہجو کے کوئی دوسرا تصور ذہن میں ابھر نہیں سکتا ۔ عرب مترجمین اور شارحین نے اگر ان کو مدح اور ہجو کا مترادف سمجھا تو نہ ان کی خطا ہے نہ ہی اس میں عجوبہ پن کی کوئی بات ۔

ارسطو نے قدیم شاعری کی بعض اقسام کا بھی ذکر کیا ہے ۔ ٹریجڈی کے پلاٹ کا اطوار و تاثرات کا فرق ۔ لمحہ آرائش ، پلاٹ کی ترتیب ، وحدت عمل ہیرو کی سیرت کے خصائص ، دہشت و درد مندی کے اجزا تطہیر (Catharsic) کا فلسفہ ، سیرت نگاری کی شرائط ، تاثیر اسلوب ، لسانی مسائل مثلاً اسم رکن حرف تہجی ، جملہ ، الفاظ ، شاعری کی زبان ، بحور و قوافی شعر وغیرہ کے مباحث پر اجالی روشنی ڈالی ہے ۔ عرب مترجمین و شارحین کے لیے یونانی ڈراما اسٹیج (Stage) یا جدید مغربی ڈرامائی تصورات کی تفصیلات کے اعتبار سے کامیڈی یا ٹریجڈی یا ہیرو (Hero) کے تصور کو قبول کرنا مشکل تھا ۔

ہیرو کا تصور جو ارسطو نے پیش کیا اسے قبول کرنے کے لیے عرب ذہن تیار نہ تھا ۔ ظہور اسلام کے بعد حمد و ثناء اور بڑائی کا مستحق صرف خدا اور اس کا رسول تھا ۔ کسی انسان کو خواہ وہ کسی قدر عظیم ہو انا ربکم الاعلی (Demi-God) کہنے کا حق نہیں ۔ ہیرو کا وثنی یونانی تصور ناقل قبول تھا ۔ دیوی دیوتاؤں کے ساتھ یونانی ہیرو کا ربط و تعلق یا دیومالائی قصوں کی، وثنی عقائد کے ساتھ آرائش ، یہ سب اسلامی ذہن ، نقد و ادب کے دائرہ سے خارج تھیں ۔ ہومر (Homer) کی رزمیہ (Epic) کی آرائش دیومالائی قصوں سے کی گئی تھی ، ڈرامہ کا تصور مسیحی یورپ میں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ قبول کر لیا گیا ۔ وثنی اور مسیحی عقائد کا ٹکراؤ بہرحال لازمی تھا ۔ اس تضاد کا حل مسیحی ڈرامہ نگاروں نے مثلاً شیکسپیئر اور دیگر مغربی ڈرامہ نویس نے ماورائی یا فوق الفطرت (Super Natural) عناصر کی آمیزش کے ساتھ تلاش کر لیا ۔ پری ، بھوت یا ارواح خیر و شر (Spirits)

11. Ibid, p. 25.

نے ان کی جگہ لے لی اور زمانہ حال تک مغربی ڈرامائی فن پر اس کی چھاپ موجود ہے ۔

جدید ناقدین اور ارسطو پرستی

جدید عربی شعرا اور ناقدین ارسطو پرستی کا شکار ہوئے اور ان کا جذبہ انفعالیت افسوس ناک حد تک بڑھا ۔ جن شعرا میں شوقی ، حافظ ابراہیم اور نسیم وغیرہ اس حد تک اس کے دلدادہ ہوئے کہ اسے موحد قرار دیدیا ۔ معروف ناقد ڈاکٹر طہ حسین نے مبالغہ آمیز حد تک ارسطو پرستی کی مذمت کرتے ہوئے لکھا کہ عرب شعرا اور ناقدین ارسطو کا براہ راست مطالعہ کیے بغیر دیگر مولفین ، ناقدین و شارحین کے مقدمات اور حواشی پڑھ کر ارسطو پرستی کے شکار ہو جاتے ہیں ۔ شاعر شوقی یا نسیم وغیرہ ارسطو کی کتاب الاخلاق پر استاذ لطفی السید کا مقدمہ پڑھ کر اس کے گرویدہ ہو گئے ۔ انھوں نے اصل کتاب کا مطالعہ تک نہیں کیا ۔ مگر بد قسمتی سے طہ حسین خود ارسطو پرستی کا شکار ہو گئے ۔ ایک طرف تو وہ ارسطو کی عامیانہ مدح ستائی کی مذمت کرتے ہیں دوسری طرف خود ارسطو کی علم اخلاق سے غلو کی حد تک متاثر ہو کر اسے لاثانی مفکر قرار دیدیا ۔ یہاں تک لکھ گئے کہ انسانی فلسفہ کے ظہور کے بعد سے آج تک ارسطوء کا کوئی مد مقابل پیدا نہیں ہوا ۔ عربوں نے اسے معلم اول کا خطاب برحق عطا کیا ہے ۔ وہ تمام فلاسفہ کا زعیم ہے ۔ اس سے بڑا مبالغہ اور ارسطو پرستی کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے ۔ طہ حسین رقم طراز ہیں :

اما انا فلست واعرف له نظیرا منذ ظهرت الفلسفة الانسانية وما اعتقد ان احداً غیری یستطیع ان یجدله نظیرا ۔ فارسطاطالیس هو المعلم الاول حقا کما سماه العرب وهو ابو الفلاسفة حقاً وهو زعیم الفلاسفة حقا وابقاهم سلطاناً وار فعهم مکاناً و اشد هم ثباتاً للدهرو قوة علی الایام ۔[۱۲]

ادب و فلسفہ میں ارسطو کو بے نظیر و بے مثل تصور کرنا عظیم اجتہادی غلطی ہے ۔ گذشتہ چار عشرات یونانی علوم و فنون کی اصلیت و حقیقت کی سراغرسانی جاری ہے۔ ریسرچ کرنے والے علماء نے ثابت کر دیا ہے کہ یونانی علوم شمالی افریقہ اور مصری علوم کی رہین منت ہیں اور ارسطو کی اکثر کتب سرقات کی بے نظیر مثالیں ہیں اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ہیرو پرستی حق پرستی کی ضد ہے۔ یورپ میں جب شیکسپیئر پرستی کا زور ہوا تو اس کے خلاف اس قدر طاقتور رد عمل ہوا کہ یورپ کے عظیم فن کاروں نے مثلاً برناڈ شا ، ٹالسٹائی اور رابرٹ برجز نے شکسپیئر کو فن کار

---

۱۲ - طہ حسین ، حدیث الاربعاء ، جلد ۳ ، صفحہ ۹۴ ، شیکسپیئر کے خلاف حملات کے لیے کتاب کا باب ۱۴ (ص ۲۷۰ سے ۲۹۷) ملاحظہ ہو ۔

تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس کے خیالات کو سرقات سے تعبیر کیا اور اسے بھانڈ ، ظالم قاتل اور فحاشی و بدکاری کا مدرس اول قرار دیدیا۔[13] ارسطو کو حرف آخر قرار دینا اسی قسم کی عظیم غلطی ہے۔ بوچر نے صحیح کہا کہ ارسطو کو سب سے زیادہ نقصان اس کے مداح نے پہنچایا ہے ۔ جو لوگ ارسطو سے بالکل ناواقف تھے انھوں نے ہی اس کو ادب و فلسفہ میں حرف آخر تسلیم کر لیا ۔ احترام کا تقاضا تو یہ تھا کہ بوطیقاء کی خامیاں اُجاگر کی جاتیں ۔ اور یہ ثابت کیا جاتا کہ ادبی اصول ارسطو کے نظریات سے زیادہ صحت مند بنیادوں پر ہنوز قائم کیے جا سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ ارسطو کے بہت سے اصول عارضی اور تجرباتی تھے ۔[14]

بوطیقاء (فن شاعری) کا اُردو ترجمہ عزیز احمد (بی ۔ اے ۔ آنرز، لندن) استاذ ادبیات اردو (اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز جامعہ لندن) نے کیا ہے جو انجمن ترقی اردو کراچی سے ۱۹۶۱ء میں طبع ہوئی ۔ عزیز احمد تمہید کے صفحہ ۲۷ پر ٹی ۔ ایس ۔ الیٹ (T. S. Eliot) ، عظیم انگریزی شاعر اور ناقد کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں ۔

''عربی ادب اور عربی شاعری میں ڈرامے کا وجود ہی نہیں تھا۔ ٹی۔ ایس ۔ الیٹ نے اپنے ایک مضمون میں خوب لکھا ہے ۔ ''تھیٹر ایک ایسا عطیہ ہے جو ہر قوم کو نہیں ملتا خواہ اس کا تمدن کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو ۔ یہ عطیہ مختلف اوقات میں ہندوؤں ، جاپانیوں ، یونانیوں ، انگریزوں، فرانسیسیوں اور ہسپانیوں کو ملا ۔ کم تر درجے میں یہ ٹیوٹانیوں اور اہل اسکنڈی نیویا کو عطا کیا گیا ۔ یہ عطیہ اہل روسا کو نہیں ملا ۔ از رائے اطالویوں کو بھی زیادہ فیاضی سے نہیں دیا گیا ۔''[15]

آگے چل کر مولف مذکور لکھتے ہیں ''اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ عربوں کو یہ عطیۂ قدرت بالکل نہیں ملا ۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ارسطو کے رسالہ فن شاعری کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے''[16]

یہ ذہن احساس کمتری کی نشان دہی کرتا ہے ۔ کسی زبان یا ادب میں کسی خاص فن کا عدم وجود عطیہ قدرت سے محرومی کا ثبوت نہیں ۔ ظہور اسلام کے بعد عرب ایک ایسے عالمی انسانی پیغام کے داعی بن گئے کہ ان کی نظروں میں نہ تو ناچ گانا ، ڈھول باجا ، بھانڈوں کی نقالی (Clown) کی وقعت رہی نہ ہی ذوق ۔ وہ

---

13. G. Wilson Knight, *The Wheel of Fin e*, pp. 271 - 280 (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۰ء) ۔

۱۴۔ بوچر مرجع سابق (مقدمہ) ، ص ۹ ۔

۱۵۔ عزیز احمد ، فن شاعری ، (کراچی ۱۹۶۱ء) ص، ۲۷ ۔

۱۶۔ ایضاً ، ص ۲۷-۲۸ ۔

نظام کائنات پر تدبر و تفکر اور ما بعد الطبعیاتی فلسفہ پر غور و فکر کرنے کے لیے علوم قرآن میں ڈوب گئے - وہ قرآن جو لسانی مظہر کا نقطہ عروج ہے جس کی فصاحت و بلاغت تا ازل بے نظیر ہے - اس قرآن کے وارثین کو ناچ کود ، کھیل تماشے نائک اور تھیٹر میں بھانڈوں کی نقالی یا وثنی اقوام کے دیو مالائی قصوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی- آج ٹی- ایس- الیٹ زندہ ہوتے تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ فن ڈرامہ سینما ہال میں زندہ ہو چکا ہے - یہ اب مغربی تمدن کا مدفون ورثہ ہے جہاں تک بوطیقاء کے سمجھنے یا سمجھانے کا تعلق ہے - اس سلسلہ میں اتنا عرض کرنا کافی ہوگا کہ بوطیقاء کو کماحقہ سب سے پہلے عربوں نے ہی سمجھا اس کے نقائص گنائے اور صحت مند تنقید پیش کی - انھوں نے بوطیقاء کو ناقص و ناتمام رسالہ قرار دیا - بلکہ یونانی شاعری کو من حیث کل مواد و ہیت کے اعتبار سے ناقص و محدود ثابت کیا - یونانی شاعری ان کی نظر میں اغراض و معانی اور انواع شعری میں محدود تھی - ارسطو نے یونانی شاعری کے اصناف سے بحث نہیں کی مگر فارابی اور ابن سینا نے اپنی تلخیصات میں یونانی شاعری کا تفصیلی جائزہ لیا - یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یونانی شاعری پر ان کی گہری نظر تھی - ابن سینا نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا یونانی شاعری کے اصناف اور ساخت سے مکمل بحث کی - وہ شاعری کے مدنی اغراض ، تخیل شعور ، انفعالیت ، اختراع ابتداع وزن و قافیہ اور فصاحت لفظی و معنوی تک سے بحث کرتا ہے - ان مباحث کے کے بعد وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نہ یونانی شاعری کا دامن تنگ ہے بلکہ وسعت و افاقیت سے بھی وہ محروم ہے - مواد و ہیت میں اس کی تنگ دامانی مسلم ہے - اس قسم کی تنقید کے لیے جس گہری نظر اور عمیق فکر کی ضرورت ہے محتاج بیان نہیں - ابن سینا آخر میں لکھتا ہے کہ یونانی شاعری محض محدود مباحث پر گردش کرتی ہے :

فهذه هو عدة الصيغات الشعرية على سبيل الاختصار - و اليونان كانت لهم اغراض محددة يقولون فيها الشعر - وكانوايخصون كل غرض بوزن على حدة وكانوايسمرن كل وزن باسم على حدة[١٧] -

وہ مزید لکھتا ہے :

"و كان لهم كما اخبرنا به انواع معدودة للشعر و اغراض محدودة-"[١٨]

ابن رشد اس سے زیادہ صریح الفاظ میں بوطیقاء کو فن شاعری پر ایک ناقص کتاب تصور کرتا ہے - اس لیے اس نے بوطیقاء کی تلخیص لکھتے وقت یونانی شاعری میں مدح و ہجو کے نظائر کے مقابلہ میں عربی شاعری کے اصناف مدح و ہجو کے نادر نمونے پیش کیے - عربی تشبیہات و استعارات کی نادر مثالیں پیش کیں جن سے

١٧- فن الشعر، صفحہ ١٦٥ -

١٨- ایضاً ، صفحہ ١٦٧ -

بوطیقاء شاعری کا دامن خالی تھا ۔ شعراء عرب کے اشعار نقل کیے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اس نے ثابت کر دیا کہ عربی شاعری سے یونانی شاعری بلند و بالا ، ارفع و برتر ہے ۔ اس تقابلی مطالعے کے بعد ہی وہ اپنی تنقید میں بوطیقاء کو ایک ناقص کتاب قرار دیتا ہے ۔ یہ بوطیقاء کے بارے میں پہلی علمی و ادبی تنقید تھی ۔ ابن رشد نے ارسطو کی کوتاہی ثابت کی ۔ ارسطو حسب وعدہ ہجو کی تفسیر مزید پیش نہیں کر سکا ۔لہذا سارے تراجم ناقص و نامکمل ہیں ۔

"و مع ذلک فلسنا نجده ذکر ذلک فی هذ الکتاب الواصل الینا الا بعض ذلک۔ ذلک یدل علی ان هذ الکتاب لم یترجم علی التمام و انه بقی منه التکلم فی سائر فصول اصناف کثیر من الاشعار التی عندهم ۔ و قد کان هو قد وعد بالتکلم فی هذه کلها فی صدر کتابه والذی نقص مما هو مشترک فی التکلم فی صناعة الهجاء۔" (کمیدی)۔

افسوس اس کا ہے کہ عبدالرحمن بدوی جیسا لائق مولف جو یونانی علوم و فلسفہ میں ید طولی ہے اپنی کتاب فن الشعر لارسطاطالیس کے مقدمے کے آخر میں یہی تحریر کرتے ہیں کہ عربوں سے یہ بنیادی غلطی ہوئی کہ انھوں نے ٹریجڈی کا ترجمہ قصیدہ اور کامیڈی کا ترجمہ ہجو کرایا ۔ اگر یہ غلطی نہ ہوتی تو شاید آج عربی ادب کا دامن بھی فن ڈرامہ سے خالی نہ ہوتا ۔ مؤلف نے یونانی فلسفہ اور ارسطو کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اور حسب ذیل جلدیں تحریر کی ہیں :

(۱) ارسطو عند العرب (۲ جلدیں) ۔
(۲) منطق ارسطو (۵ جلدیں) ۔
(۳) ربیع الفکر الیونانی و خریف الفکر الیونانی (۲ جلدیں) ۔
(۴) التراث الیونانی فی الحضارة الاسلامیه ۔
(۵) المثل العقلیة الافلاطونیة ۔
(٦) افلاطون عند العرب ۔

راقم الحروف کی پہلی ملاقات مؤلف مذکور سے ۱۹۷۳ء میں پیرس (Paris) میں ہوئی جب بین الاقوامی مستشرقین کی تیسویں کانگرس کے موقع پر ہم سب وہاں جمع ہوئے تھے اور جہاں پیرس کتب خانہ کے نادر مخطوطات کی نمائش دیکھنے کا موقع ملا ۔ دوسری ملاقات شہر سیبویہ کانفرنس کے موقع پر ۱۹۷۴ء میں ہوئی ۔ راقم الحروف نے فاضل مؤلف سے گلہ کیا اور اختلاف رائے کا برملا اظہار کیا ۔ درحقیقت یونانی علوم و فنون بالخصوص ارسطو اور افلاطون کے بارے میں جدید تحقیقات کا جو مواد منظر عام پر آ رہا ہے اس سے رہا سہا علم بھی اٹھتا جا رہا ہے ۔ اور یونانی علوم کا ہوا ٹوٹتا جا رہا ہے ۔ فاضل مؤلف عبدالرحمن نے راقم الحروف کی رائے سے اتفاق کیا ۔